رسائل و مسائل

اسلامی نقطۂ نظر سے انتخابی پالیسی

سوال: حلقہ ہائے خدمت صوبہ پنجاب نے سیاسی پالیسی کے طور پر دو اصول وضع کیے ہیں جنہیں اپنانے کی کوشش ہو رہی ہے۔ پہلا اصول تو یہ ہے کہ الیکشن صرف جیتنے کے لیے لڑا جائے، ہارنے کے لیے نہ لڑا جائے۔ اور دوسرا یہ کہ اس نشانے کو سر کرنے کے لیے قابلِ قبول لوگوں کو اپنا لیا جائے اور زیادہ تر ٹکٹ اُن لوگوں کو دیے جائیں جو اپنے اخراجات خود برداشت کریں اور با وسائل ہوں۔

اس فارمولا پر پچھلے بلدیاتی انتخابات میں کچھ عمل سرگودھا میں ہوا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ہمارا پختہ یا اپنا آدمی سرے سے کوئی کامیاب ہی نہیں ہو سکا۔ کیونکہ ہم نے اپنی توجہ قابلِ قبول لوگوں پر مرکوز رکھی۔ جو قابلِ قبول" جیت گئے" اُن کا حال یہ ہے کہ انہوں نے ہماری ایک نہ سُنی، کوئی کسی گروپ کے ساتھ چلا گیا اور کوئی کسی گروپ کے ساتھ چلا گیا۔ نتیجہ اس کا یہ نکلا کہ ہم اس بدقسمت مرغی کی طرح دیکھتے رہے جس کے نیچے سینے کے لیے بطخوں کے انڈے رکھ دیے جائیں۔ جب بچے نکل آئیں تو وہ جوہڑ میں چلے جائیں اور مرغی کنارے پر کُٹاں کُٹاں کرتی پھرے۔

میرے خیال میں یہ پالیسی اس پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر اور بے صبری دکھاتے ہوئے بنائی گئی ہے کہ لوگ ہمارے اسلامی حلقوں کے لوگوں کو ووٹ نہیں دیتے اور مجھے ڈر ہے کہ اگر اس پالیسی کو تسلسل دیا گیا تو ایک اور مسلم لیگ بن کر ہو سکتا ہے کہ جماعت حکومت تو حاصل کر لے، مگر وہ مقصود، صالح انقلاب نہ لا سکے گی۔

اس کے علاوہ ہمارے پرانے لوگ کچھ مایوس سے نظر آنے لگے ہیں۔ کیونکہ یہ پروپیگنڈا ہمارے اندر شروع ہوگیا ہے کہ ان پیسے والے لوگوں کو ساتھ ملائے بغیر انتخاب نہیں جیتا جا سکتا۔ چنانچہ دعوتِ عام دینے کی بجائے اب مخصوص دائرے اور حلقے تجویز کیے گئے ہیں جن میں الیکشن لڑنے کے خواہش مند اور با استطاعت لوگوں سے ملاقاتوں کو اولیت دی جا رہی ہے۔

میرے خیال میں اسلامی طریقِ انقلاب کی طرف سے نظر ہٹ گئی ہے۔ کیونکہ وہاں انقلاب کا سب سے بڑا ہتھیار با کردار لوگ اور زوردار طریقہ سے دعوت کا پہنچانا ہے جس سے رائے عامہ اس حد تک متاثر ہو جائے کہ وہ نہ کسی لالچ دینے والے کے لالچ میں آئے اور نہ ہی کسی ڈرانے والے سے ڈرے۔ جب یہ صورت پیدا ہو جاتی ہے تو پھر تو کھمبے بھی جیتتے ہیں۔ خود مسلم لیگ کا تجربہ یہ ہے کہ جب وہ جیتی تو بعض مقامات پر اس کے کھمبے بھی جیتے۔ پی پی پی کے ساتھ بھی معاملہ کچھ ایسا ہی ہوا۔ خود حضورؐ کے ساتھ جنہوں نے جان و مال کی قربانی دی وہ اہلِ نظر میں سے تھے نہ کہ اہلِ ہوس و اقتدار میں سے۔ بہرحال اس سلسلہ میں پالیسی کو واضح کرنے کی ضرورت ہے۔ چونکہ ترجمان القرآن ہمیشہ سے ایسے معاملات میں اسلامی نقطۂ نظر سے رہبری کرتا رہا ہے اس لیے اُمید ہے کہ اس سلسلہ میں بھی وضاحت اور رہبری کی جائے گی۔

جواب: ہمارے لیے ہر ایسا موقع بڑا مقامِ مسرت ہوتا ہے، جب ہمارے قارئین اور حلقہ ترجمان القرآن کے رفقاء میں سے کوئی کسی امر میں پُرخلوص جذبۂ اسلامی سے اضطراب دکھاتا ہے اور اس بات کا طالب ہوتا ہے کہ اُسے کسی طرف سے صحیح روشنی ملے۔

ویسے اجتماعی و سیاسی معاملات ایسے پیچیدہ ہوتے ہیں اور اتنے مختلف پہلو رکھتے ہیں کہ بعض اوقات کسی ایک ہی اُصول کو سامنے رکھ کر جب کسی قضیے کی جانچ کی جاتی ہے تو صحیح حل ڈھونڈ نکالنا آسان نہیں ہوتا۔ آپ نے جس معاملے پر سوال اٹھایا ہے وہ بھی سادہ اور یک رخا معاملہ نہیں ہے، بلکہ اس کی کئی جہتیں ہیں۔ ان سب کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔

پالیسی ایک ایسی چیز ہے کہ لبا اوقات اس کو بیان کرنے میں یک شخص پورے اعتدال کو

ملحوظ نہیں رکھ سکتا۔ اور کسی پہلو یا کسی لفظ پر زیادہ یا کم زور دینے کے دو مختلف تاثر پیدا کرنے کا باعث بن جاتا ہے۔ کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ ایک ہی پالیسی کی تشریح و توضیح میں دو یا دو سے زیادہ افراد مختلف اندازِ بیان اختیار کرتے ہیں اور اس وجہ سے وہ مخاطبوں کے ذہنوں پر اثرات بھی مختلف چھوڑتے ہیں۔

وہی باتیں جو آپ نے خط میں لکھی ہیں اور آپ کے لیے پریشانی کا موجب بنی ہیں، انہی کو یہاں اعتدال و توازن سے بیان کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور مجھے اُمید ہے کہ آپ مطمئن ہوں گے۔

پالیسی کا برسوں پہلے سے قائم شدہ اُصول یہ ہے کہ ہمارے عقیدے کے مطابق ہمارا امتیازی کام یہ ہے کہ ہم صالح قیادت کو اُبھاریں اور اسلامی طرزِ فکر اور کردار رکھنے والے ممتاز افراد کو آگے بڑھانے کی کوشش کریں۔ یہ اُصول اپنی جگہ قائم ہے۔ اور جب تک تحریکِ اسلامی کے اثرات موجود ہیں، یہ اُصول بھی موجود رہے گا، کیونکہ اس کی اساس قرآن و حدیث کی تعلیمات پر ہے اور ہمارے لٹریچر میں اس پر اتنا زور دیا گیا ہے کہ اب اگر ہم اس سے انحراف کریں تو ہم خود اپنے وقار و اعتماد کو ختم کرنے کی بھاری غلطی کریں گے۔

اب آگے چلیے۔ اُصولوں کو قائم رکھتے ہوئے عملی حقیقتوں اور مشکلات کو بھی ملحوظ رکھنا پڑتا ہے۔ سارا کام آنکھیں بند کر کے نہیں کیا جا سکتا۔ کہا یہ گیا ہے کہ انتخابات میں جیتنے کے لیے لڑنے چاہئیں، نہ کہ ہارنے کے لیے۔ اس کا منشا یہ نہیں کہ ہم اپنا متذکرہ بالا اساسی اُصول ختم کر دیں۔ اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ ہم آنکھیں بند کر کے انتخابات کا معرکہ نہ لڑیں کہ جیتنے کا امکان چار کے لیے ہو تو ہم سَو آدمی کھڑے کر دیں، درآنحالیکہ مخالف موافق سب جانتے ہوں کہ ان کے جیتنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ بار بار اس طرح کے تماشے دکھانے سے لوگوں میں مایوسی پھیل جاتی ہے۔ اور پھر ہماری انتخابی مہمات میں ساتھ دینے پر تیار نہیں ہو سکتے۔ بلکہ صاف کہتے ہیں کہ ان لوگوں کو تو ہارنا ہی ہے۔ لہٰذا ووٹ ضائع کیوں کیا جائے۔

اِن اشارات کی روشنی میں یہ ضروری ہے کہ ہم اپنے لیے صرف ایسے حلقے چُن لیں جن میں تحریکی کارکنوں کی تعداد بھی اچھی خاصی ہو اور عوام و خواص میں حمایت و تائید بھی پائی جاتی ہے

اور ان حلقوں کے لیے اپنے اندر سے ایسے افراد کو ڈھونڈ کر اُمیدواری کے لیے لانا چاہیے جو فی نفسہٖ مدبّر اور نیک نہاد بھی ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ ان کی طرف لوگوں کا رجوع نسبتہً زیادہ ہو یا یہ کہ وہ مختلف عوامل کے زیر اثر زیادہ سے زیادہ تائید و حمایت حاصل کر سکیں۔ ایسے حلقے یا افراد اگر پورے صوبے یا ملک میں دس بیس (یا کم و بیش) بھی لیے جائیں تو یہ اس سے بہتر ہے کہ سو ڈیڑھ سو حلقوں میں اُمیدوار کھڑے کیے جائیں اور آخر میں نتیجہ مایوس کن ہو۔

میرا خیال ہے کہ انتخاب "جیتنے کے لیے" لڑنے کا یہی مقصود ہے۔

دوسرا پہلو پالیسی کا یہ ہے کہ جن حلقوں میں ہمیں انتخاب میں خود حصّہ نہیں لینا ہے اُن میں سے جہاں کہیں ہماری کچھ بھی انتخابی قوت اور حلقہ ہائے اثر موجود ہوں (مگر وہ اس کے لیے کافی نہ ہوں کہ براہ راست ہم خود حصّہ لے سکیں) وہاں کسی محبِ اسلام، شریف اور قابل آدمی کو تائید بہم پہنچا دی جائے تاکہ وہ ایوان میں اور دوسرے دفتری معاملات میں ہمارے ساتھ تعاون کر کے مخالفِ اسلام، بدکردار اور بے بصیرت لوگوں کی قوتوں کا مقابلہ کر سکے۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ جہاں کہیں جس کسی جاگیردار، لٹھ مار، شرپسند اور کھلم کھلا ناجائز ذرائع سے کام لینے والے کسی آدمی کی جیت کے امکانات ہوں وہاں اپنے سارے اصول و معیار کو بالائے طاق رکھ کر اس کی حمایت کر دی جائے اور اس کا جھنڈا اُٹھا کر اس کے لیے نعرے لگائے جائیں۔

بس یہی وہ نکتہ ہے جس کے بارے میں یا تو کسی اندازِ بیان یا انداز تحریر میں کوئی جھول رہ گیا ہوگا۔ اور یا آپ نے مدّعا کو اچھی طرح سمجھا نہیں ہوگا۔

"ہارنے کے لیے انتخاب لڑنا" ٹھوک کے حساب سے ہم کہہ چکے ہیں اور اب تجربے نے بتایا کہ محتاط روش ہونی چاہیے۔ مگر اس کے باوجود اب بھی بعض جگہوں پر ہارنے کے لیے انتخاب لڑنا ضروری بھی ہو سکتا ہے۔ یہ ایسے حلقے ہیں جہاں ہم اپنے آپ کو اور اپنے کسی نئے آدمی کو سیاسی حیثیت سے پبلک کی نگاہوں میں لانا چاہتے ہیں اور مستقبل کے لیے جیت کا راستہ بنانا چاہتے ہیں۔

رہا اپنے اخراجات خود برداشت کرنے والوں کے لیے ترجیح کا معاملہ، سو اس کے معنی بھی یہ نہیں ہیں کہ بصیرت و کردار کو بالکل بالائے طاق رکھ کر اصحابِ دولت کو تلاش کیا جائے۔ بلکہ مدعا یہ ہے کہ خود ہمارے ہی آدمیوں میں ایسے لوگ بھی ہو سکتے ہیں کہ جو اسلامی بصیرت و کردار بھی رکھتے ہوں اور مصارف بھی زیادہ سے زیادہ حد تک برداشت کر سکیں۔ جہاں ہماری مالی حیثیت بالکل ساتھ نہ دے، وہاں ہم بے نتیجہ انتخابی جد و جہد کی ذمہ داری قبول نہ کریں۔ ہاں اگر اپنے دائرے کے باہر کا کوئی موزوں اور صاحبِ حیثیت آدمی سامنے آئے تو اس سے گفت و شنید کر کے اس کی حمایت اس مقصد کے لیے کریں کہ وہ دین و ملت کے لیے بہتر سیاسی کردار ادا کرے گا۔

آپ نے "سرگودھا کی مرغی" کی جو مثال دی ہے، اس طرح کی غلطیاں اور بھی کئی جگہوں پر ہوئی ہیں۔ بعض جگہ اپنا کوئی آدمی بھی نہیں اور محض ہم دوسروں کے لیے ووٹوں کی سستی مارکیٹ بن گئے ہیں حالانکہ ہونا یہ چاہیے کہ انتخاب کے نتیجے میں اپنے دو تین افراد کا ایک مرکزی وجود بن جائے اور پھر جن لوگوں کی حمایت کی گئی ہو، ان کو اس مرکزی وجود کے گرد سمیٹا جائے۔ یا کم سے کم اہم معاملات میں ان کی تائید حاصل رہے۔ ایوان میں اپنا وجود اگر صفر ہو تو محض دوسرے متفرق اصحاب سے نہ کام لیا جا سکتا ہے اور نہ اُن کو کسی ایک نقطے پر سمیٹا جا سکتا ہے۔ وہ تو لازماً بکھر جائیں گے۔ بعض جگہوں پر اکا دکا ایسے افراد بھی ہمارے دوستوں کی جوشیلی حمایت سے کامیاب ہو گئے جو ہمارے معیارات کے لحاظ سے "مختر ڈ ڈویژن" میں بھی نہیں آتے، بلکہ صریحاً غلط ساخت کے ہیں اور بہت خراب ریکارڈ رکھنے کی وجہ سے بدنام ہیں۔ اسی طرح یہ بھی ہوا کہ بلدیاتی انتخابات میں کسی کسی مقام پر تھوڑی سی قوت حاصل ہو جانے پر کسی بڑے ہاتھی سے ٹکر لینے کا کھلا کھلا اعلان کر دیا گیا۔ اور بعد میں وہ کچھ بھی نہ مل سکا جس کا ملنا آسان تھا۔

مگر ان غلطیوں سے گھبرانے کی بجائے ہمیں ان سے سبق لے کر اپنے لائحہ عمل کو درست کرنا چاہیے اور تدریجاً اِس طرح آگے بڑھنا چاہیے کہ ہمارے اہم اُصول ٹوٹنے نہ پائیں۔

میں یہ بات بھی واضح کرنا چاہتا ہوں کہ بڑے بڑے لوگوں کے حلقوں میں جانے اور خاص خاص شخصیتوں سے رابطہ بڑھانے کی تدبیریں وقتی ضرورت کے تحت اگر جاری رکھی بھی جا سکتی

ہوں تو پھر بھی اُصولاً ہماری تحریک انتخابی لحاظ سے اس وقت ہی با اثر اور باوقعت بنے گی جب کہ ہم لوگ اپنی دعوت کو بہترین پیرایوں سے شخصی طور پر عوام کے اندر پھیلانے کی زوردار مہم چلائیں گے۔ انتخابی یا انقلابی دونوں کی قوتوں کے حصول کا اصل راستہ یہی ہے۔ یہ کام اگر ہم نہ کریں تو اربابِ دولت و اثر کی دستگیری سے اکا دکا صورتوں میں کامیابی ہو جانے کے باوجود ہماری قوت نہیں بڑھے گی۔

اور میرا آخری نکتہ یہ ہے کہ ہمیں اپنے دلوں کو اپنے لیے حصولِ اقتدار کی ہوس سے بالکل خالی کر لینا چاہیے۔ ہمیں یہ نہیں سوچنا چاہیئے کہ ہمیں فلاں وزارت مل جائے اور اتنا حصۂ اقتدار حاصل ہو جائے، بلکہ محض اللہ کی رضا اور غلبۂ اسلام کے لیے ہمیں انتخابات کی راہ میں دین اور تحریک کے اُصولوں کو توڑے بغیر مزدوروں کی طرح سخت محنت کرنی چاہیے۔ اس مخلصانہ نیت سے کیے ہوئے کام کو اللہ تعالیٰ کبھی ضائع نہ کرے گا۔ ہاں عملی حالات و مشکلات کے پیشِ نظر پورے تدبر سے کام لے کر مناسب تدابیر اختیار کرنی چاہئیں۔ یہ بھی خود دینی تعلیم کا تقاضہ ہے۔

(نعیم صدیقی)

(بقیہ قرآن مجید میں تکرارِ واقعات کی حکمت و افادیت)

اس حیاتِ مستعار کی ظاہری زینت پر ریجھ کر منعمِ حقیقی کی نافرمانی اختیار کر لینے پر انتباہ کیا گیا ہے تو کہیں آدم کی طرح ہدایت پر ثابت قدم نہ رہنے اور خدا سے باندھے ہوئے عہد کو فراموش کر دینے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ کسی مقام پہ آدم کی طرح اس کا بندہ بن کر نہ کہ شیطان کی طرح سرکش و نافرمان بن کر رہنے پر زور دیا گیا ہے۔

۸ ـــ قصہ آدم و ابلیس کے تکرار و اعادہ میں مضمر مذکورہ بالا حِکَم کے علاوہ ایک ابدی حکمت جو کارفرما نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ انسان کو یاد دلایا جائے کہ وہ کتنا عظیم، خدا کے ہاں کتنا مکرم و محترم ہے نیز یہ کہ اُسے اپنے ازلی دشمن ـــ شیطان ـــ سے جو منبعِ شر ہے، کے نقشِ قدم کی پیروی سے ہمیشہ گریز کرنا لازم ہے۔

واللہ اعلم بالصواب